۸

# آزادی کشمیر اور اقبال

شاہدہ یوسف

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

کشمیر، جو قرن ہا قرن سے تہذیبوں اور مذاہب کے اختلاط کا سرچشمہ رہا ہے، کی تاریخ کے ابواب زمانہ قبل از مسیح کے طلسماتی ادوار تک پھیلے ہوئے ہیں۔ زاہد چودھری اپنی گرانقدر تصنیف "پاکستان کی سیاسی تاریخ" میں رقم طراز ہیں:

> "کشمیر کے قدیم دور کی تاریخ کو بارہویں صدی کے ایک برہمن (کلہانہ) نے "راج ترنگنی" کے نام سے سنسکرت میں منظوم کیا۔ اس کے مطابق برصغیر میں باقاعدہ حکومتی نظام 2450 قبل مسیح میں قائم ہوا جب ایک شخص گونند نے یہاں اپنا راج قائم کیا۔ اس کے بعد دو ہزار سال سے زائد عرصے تک یہاں مقامی خاندان حکومت کرتے رہے۔"[1]

کچھ عرصے تک موریہ خاندان کے ایک شہنشاہ اشوک اعظم نے بھی کشمیر پر حکمرانی کی۔ اشوک کا تعلق بدھ مت سے تھا۔ "ویدک برہمن ازم" کی انحطاطی، رجعت پسندانہ اور ظالمانہ تنگ نظری سے سیاسی ڈھانچے میں غیر انسانی رویے پیدا ہو گئے تھے۔ بدھ ازم کی بدولت یہاں نیکی، محبت، انسانیت اور بھائی چارے اور روحانی ترفع کو رواج دیا گیا۔ علوم و فنون کے مرکز "ٹیکسلا" جو کشمیر سے زیادہ دور نہیں تھا، کی بدولت وادی گندھارا سے کشمیر کا پہلا سیاسی ثقافتی رشتہ قائم ہوا۔

سرزمین کشمیر کا تاریخی، تہذیبی اور تمدنی ورثہ اپنے اندر ان گنت سیاسی کہانیاں، بیرونی حملہ آوروں کی سفاکیوں کی بے شمار داستانیں اور مقامی حکمرانوں اور راجاؤں کی خانہ جنگیاں اور مذہبی اختلافات اور آویزشوں کے احوال اپنے اندر رکھتا ہے۔ عنصر صابری اپنی کتاب "تاریخ کشمیر" میں لکھتے ہیں:

> "لفظ "کشمیر" کے متعلق مورخین کے درمیان اختلاف قطعیں حائل ہے۔ بعض نے تو وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اسے افسانہ طرازی کی نذر کر دیا ہے۔"[2]

کچھ مورخین نے اسے لفظ "کاش" اور "میر" کا مرکب بتایا ہے، اور کچھ کے نزدیک لفظ کشمیر کے پہلے دو حروف "کاشپ دیوتا" کے نام نامی سے ماخوذ ہیں۔ شہنشاہ ظہیر الدین بابر نے قوم "کاش" کے سندھ سے کشمیر سے ورود کو کشمیر کے نام کی وجہ تسمیہ قرار دیا ہے۔ وجہ تسمیہ سے قطع نظر یہاں کا سیاسی ڈھانچہ ہمیشہ عدم استحکام کا شکار رہا۔ افتراق، انتشار اور خانہ جنگی کی کیفیت کشمیر کی

تاریخ کے بیشتر ادوار میں برقرار رہی۔ مختصر ادوار کے لیے اگر اسے کچھ نیک حکمران میسر بھی آئے' تو ان کا فیضان تادیر قائم نہ رہ سکا۔ اچھی اور صالح اقدار کو قائم کرنے والوں میں "اشوک" اور "کنشک" کے نام آتے ہیں جن کی بدولت ایک فعال اور متحرک معاشرہ وجود میں آیا۔ علم و ادب' آرٹ' فلسفے' ثقافت اور فن تعمیر کو فروغ ہوا' لیکن فروغ و ارتقاء کی یہ صورت زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکی۔ "ہن" قبائیلوں کے سردار "تورمن" اور اس کے بیٹے "میرگل" کے دور حکومت میں ایک سفاکانہ اور ظالمانہ نظام قائم ہوا۔ ان کے بعد "گونند" خاندان اور "ناگا" قبیلے کی حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوئیں' بعد ازاں تاتاریوں نے اس وادی کو تاخت و تاراج کیا۔ یہ غیر انسانی اور سفاکانہ کھیل پہلے بھی بارہا کشمیر کی بساط سیاست پر کھیلے گئے۔ بقول عنصر صابری:

> "ہندوستان کی تاریخ میں خونی ابواب کا آغاز اسی وقت ہو چکا تھا جب آریہ قوم نے یہاں پہلی بار ڈیرے ڈالے اور اصل باشندوں کو پاؤں تلے روندا اور اپنی مقدس کتابوں میں دیوتاؤں سے یہ دعائیں مانگیں تھیں "اے ہواؤں کے دیوتا! تو چل اور اپنی طاقت سے ان کو ویران کر دے۔ اے اگنی دیوتا! تو ان کے مکانوں کو جلا دے۔"[3]

عہد ہنود سے عہد اسلامی اور پھر خاندان چک سے خاندان مغلیہ اور پھر خاندان افاغنہ کے دور ہائے حکومت کو سینے سے لگائے کشمیر کی تاریخ تحیر' تسور اور دہشت و عبرت کے ان گنت باب مکمل کرتی رہی۔ بقول زاہد چودھری:

> "کشمیر 1752ء سے 1819ء تک افغانوں کے زیر تسلط رہا۔ افغانوں کے ظلم و جبر' معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے اسے کشمیر کی تاریخ کے تاریک ادوار میں شمار کیا جا سکتا ہے۔"[4]

دور افاغنہ کے بعد تاریخ کشمیر سکھوں اور ڈوگروں کے پنجہ ءجبرو استبداد کے زیر تسلط آ گئی۔

تاریخ و تہذیب کے دھاروں میں ہزاروں سال کے تسلط اور جبرو استبداد کا یہ بار گراں اہل کشمیر کے باشعور طبقے کے ذہن و قلب پر تازیانے لگاتا رہا۔ اکابرین و زعما کی ایک جماعت قرن ہا قرن کے اس عذاب سے اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے نجات دلانے کی خاطر طاغوتی اور فرعون صفت قوتوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ انہی زعما اور اکابرین میں علامہ اقبال کا نام صف اول کے قلمی و فکری مجاہدین میں آتا ہے۔

کشمیر سے اقبال کی قلبی و جذباتی وابستگی اپنے اندر ایک نفسیاتی جواز رکھتی ہے۔ وطن کی محبت انسان کی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس کی جبلت کا ایک رخ بھی۔ وطن کی محبت اگرچہ ہر صاحب فکر و نظر کے ایمان کا جزو ہوتی ہے' لیکن اقبال کا مقصد انسانی معاشرے سے استحصالی عناصر کو ختم کرنا اور انسانی تمدن میں ارتقاع یافتہ اقدار کو رائج کرنا تھا۔ اقبال' ذہنی و فکری اور قلبی اعتبار سے ایک وسیع اور دردمندانہ نظام اخلاقیات کے علم بردار تھے۔ ایسا نظام اخلاقیات جو جزوی فلاح کا نہیں' اجتماعی فلاح کا قائل ہے۔ 3 جون 1932ء کو انہوں نے اپنے ایک بیان میں فرمایا:

"اہل کشمیر ملت اسلامیہ کا جزو لاینفک ہیں۔ ان کی تقدیر کو اپنی تقدیر نہ سمجھنا تمام ملت کو تباہی و بربادی کے حوالے کرنا ہے۔"[5]

کشمیر اقبال کے لئے محض ایک خطہ ء ارضی نہیں، بلکہ بقول ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی:

"کشمیر جنت نظیر سے اقبال کے وجود معنوی کو کچھ ایسا گہرا ربط ہے کہ اگر ہم اقبال کی شخصیت اور شاعری کو علامتی صورت میں دیکھنا چاہیں تو تخیل میں وادی کشمیر کے جلیل و جمیل نقوش ابھر آتے ہیں۔ اس کے برف پوش پر جلال کوہسار، اقبال کے فکر روشن کی تابناک رفعتوں کے عکاس ہیں، اور اس کی گل بداماں و پر بہار وادیاں کلام اقبال کی شعری و فنی رنگینیوں کی آئینہ دار۔ اقبال کی مفکرانہ شخصیت ہمیں ان مہاتماؤں کی یاد دلاتی ہے جو ہمالیہ کے دامن میں دھونی رمائے، آسن جمائے، جپ تپ گیان دھیان میں محو رہتے تھے۔"[6]

اقبال کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں تاریخ و تہذیب، رنگ و نسل اور حسب و نسب کے سارے ورثوں کے ساتھ کشمیر سے محبت کی متاع بھی ایک بے حد عزیز ورثے کی طرح منتقل ہوئی اور اس متاع کو اقبال نے ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھا۔

اقبال کو کشمیری مسلمانوں کی سیاسی بے بسی اور معاشی بدحالی کا بے حد احساس تھا۔ مسلمانان کشمیر کی لازوال قربانیاں اپنے اندر ایک لامتناہیت رکھتی ہیں۔ ظلم و جبر کی اس سفاک رات کو سحر کرنے کی تدابیر، اقبال، دیگر کشمیری زعما کے ساتھ مل کر کر رہے تھے۔ اقبال عرصہ ء دراز سے کشمیر میں استعماری طاقتوں کے مظالم اور سفاکی دیکھ رہے تھے۔ ڈوگرہ راج کے وحشیانہ اور غیر انسانی سلوک نے مسلمانان کشمیر، اقبال اور دیگر سیاسی و مذہبی زعما کے دلوں میں بے چینی، اضطراب اور احساس بے بسی کو دوچند کر دیا۔

بین الاقوامی سطح پر جہاں بہت سے خطہ ہائے ارض استعماری طاقتوں کے جبر سے آزاد ہوئے، وہیں طوق و سلاسل کشمیر کے سیاسی اور جغرافیائی وجود کے گرد تنگ ہوتے چلے گئے۔ ڈوگرہ رئیس راجہ گلاب سنگھ نے ابھرتی ہوئی طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی سے تعلقات قائم کیے۔ محمد سلیم خان، بار ایٹ لاء، اپنے مضمون میں "مسئلہ کشمیر ـــــ بین الاقوامی قانون کے تناظر میں" لکھتے ہیں:

"مسئلہ کشمیر کی ابتدا نام نہاد معاہدہ امرتسر سے ہوئی۔ یہ معاہدہ 16 مارچ 1846ء کو امرتسر میں حکومت برطانیہ کے نمائندگان (فریڈرک کری اور ہنری منٹگمری لارنس) اور ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے درمیان ہوا۔ اس کے مطابق پچاس لاکھ روپے (پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی) کے عوض کشمیر اور اس سے ملحقہ تمام پہاڑی علاقے گلاب سنگھ کو فروخت کر دیے گئے۔ اس معاہدے میں فروخت شدہ علاقے کے ساتھ اس کے باشندے بھی گلاب سنگھ کو منتقل ہو گئے۔"[7]

اقبال تحریک آزادی کشمیر کی روح رواں تھے۔ انہوں نے برطانوی حکومت اور سکھوں کی

کے عنوان سے ایک نظم پڑھی۔

کیا تھا گردش ایام نے مجھے محزوں
بدن میں جان تھی قفس میں صید زبوں

-----------

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پہ آئے گا طالع واژوں

-----------

جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانے میں
اسے بھی باندھ لے اقبال! صورت مضموں[10]

انہوں نے تحریک آزادی کشمیر میں ایک فعال اور درد مند رہنما کا کردار ادا کیا۔ کشمیری حکومت کے استحصالی رویوں کے خلاف اخبارات میں باقاعدگی سے ان کے بیانات چھپتے رہے۔ 14 اگست 1931ء کو یوم کشمیر کے سلسلے میں ایک جلوس بھی نکالا گیا۔ اس کے اختتام پر ایک جلسہ بھی علامہ اقبال کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں جو بعد ازاں "انقلاب" 16 اگست کی اشاعت میں چھپی، کہا:

"کشمیر میں عرصے سے جو مظالم برپا ہیں، ان کی موجودگی میں ضروری تھا کہ وہاں کی رعایا بھی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتی -----"[11]

13 اگست 1931ء کو کشمیر Cause کو Promote کرنے کے لیے جو جلوس نکلنے والا تھا، اس پر مقامی حکام نے پابندی لگا دی تھی۔ علامہ اقبال کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو آپ نے گورنر پنجاب کے نام ایک احتجاجی تار بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:

"مری سے تار ملا ہے کہ یوم کشمیر کے جلوس کو مقامی حکام نے روک دیا ہے۔ مسلمانان مری آپ سے مداخلت کا مطالبہ کرتے ہیں۔"[12]

(اس کی تفصیل روزنامہ "انقلاب" کی 15 اگست 1931ء کی اشاعت میں چھپی)

غرضیکہ کشمیر کی تحریک آزادی کے سلسلے میں اقبال نے ہر سطح پر اخلاص فکر اور اخلاص عمل کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے مخیرین وقت سے دردمندانہ اپیل کی اور ان کی حمیت ملی کو اپنے سخن گرم سے للکارا۔ یہ اپیل بھی روزنامہ "انقلاب" 21 اگست 1931ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ اس اپیل سے ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"کشمیر کے حالات روز بروز خطرناک صورت اختیار کر رہے ہیں، اور مسلمانان پنجاب کا دائرہ عمل بھی وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے اہل وطن اس تحریک کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر دبانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں نہ صرف کشمیر کے مظلوم بھائیوں کی امداد کرنا ہے بلکہ اس زہریلے پروپیگنڈے کا بھی مقابلہ کرنا ہے جس کے لیے بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔"[13]

ساز باز کے خلاف قلمی و فکری جہاد جاری رکھا۔ انھوں نے کشمیر کے خلاف سازش میں مبتلا تمام استبدادی قوتوں کے خلاف ایک تحریک مزاحمت کی بنیاد ڈالی۔ ڈوگرہ راج کے مظالم کے خلاف کشمیر کمیٹی قائم کی گئی۔ اقبال اس کے ایک سرگرم رکن تھے۔ مرزا بشیرالدین کے استعفیٰ کے بعد انھیں اس کمیٹی کے صدر ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ یہ وہ دور آلام و مصائب تھا جب کشمیر کے غریب مسلمانوں پر حکومت وقت نے عرصہ ء حیات تنگ کر رکھا تھا۔ بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں ڈالا جا رہا تھا۔ "علامہ نے کشمیر کمیٹی اور کشمیری کانفرنس کے ذریعے سے ان مظلوم انسانوں کی ہر طرح مدد کی۔ ان کی قانونی چارہ جوئی کے لیے وکیل بھیجے اور حکومت ہند کے پولیٹیکل محکمے کو اس پر آمادہ کیا کہ ڈوگرہ حکومت کو ظلم و تشدد سے باز رکھے۔ علامہ ہی کی مساعی سے حکومت کشمیر نے مسلمانان کشمیر کے مطالبات کی تحقیق کے لیے گلانسی کمیشن کا تقرر کیا۔ اس کمیشن نے تحقیقات کے بعد جو رپورٹ پیش کی' اس میں سفارش کی تھی کہ کشمیر میں مکمل آزادی ہو' مذہبی عبادت گاہوں پر سے سرکاری تصبہ ہٹا انھیں عوام کے سپرد کیا جائے' تعلیم کی اشاعت عام کی جائے' تمام محکموں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے ملازمتیں دی جائیں۔"[8]

اقبال نے کشمیری عوام کی سیاسی' فکری اور معاشی آزادی کی راہ میں فکر و احساس کی طویل مسافتیں طے کیں۔ اس طویل اور صبر آزما مسافت میں اقبال نے ان گنت سنگ گراں اٹھائے ہیں۔ اہل کشمیر کے قومی اور ملی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے اقبال کی فلسفیانہ اور تجزیاتی نظر نے اس "Root Cause" کا جو تعلیمی پالیسی سے لے کر معاشی اور قانونی پالیسیوں تک فتح ہوتی ہے' جائزہ لیا' اس لیے کہ کسی بھی قوم کے نظام تشخص کو ختم کرنے کے لیے استبدادی قوتیں تعلیمی اور سیاسی ڈھانچوں کو اپنے مذموم مقاصد سے ہم آہنگ اور Co-ordinate کرنے کی سعی کرتی ہیں۔

قدیم ہندوانہ اور دیومالائی تصورات و عقائد پر مبنی نظام تعلیم' مغربی تعلیمات پر مشتمل فلسفہ وحدت ادیان اور زمانہ قبل از تاریخ کے تخیلاتی قصے اور سکھ طرز فکر سے متاثر تہذیبی ملغوبوں کی حامل ثقافت اور مسلمانوں کے مذہبی زعماء اور اکابرین کے خلاف استہزاء اور تضحیک کے رویے' دراصل خطہ کشمیر میں مسلمانوں کے قومی و ملی تشخص کے خلاف ایک سازش تھی جس کے خلاف اقبال نے فکری اور قلمی طور پر جہاد کیا۔ اقبال نے صورت حال کے اس اندوہناک رخ اور استعماری طاقتوں کے اس خونیں اور متشددانہ رویے کے خلاف اہل کشمیر کے دلوں میں ایمان اور یقین کی شمع روشن کی' اپنی دردمندی اور محبت سے اہل کشمیر کے دلوں پر مرہم رکھا۔ ڈاکٹر صابر آفاقی اپنی تصنیف "اقبال اور کشمیر" میں لکھتے ہیں:

> "ہوش سنبھالنے سے لے کر دم واپسیں تک جو دکھ جو درد اور جو غم علامہ کو خار پیرہن بن کر بے قرار رکھتا رہا' وہ یہی کشمیر کی پامالی اور کشمیریوں کی غلامی و بے بسی کا غم تھا۔"[9]

کشمیر سے اقبال کا ذہنی تعلق عنفوان شباب ہی سے قائم تھا۔ 1896ء میں لاہور کے کشمیری النسل لوگوں نے "انجمن کشمیری مسلماناں" قائم کی جس کے پہلے ہی اجلاس میں اقبال نے "فلاح قوم"

کے سی ایس آئی' نواب آف ڈھاکہ بتاریخ 27' 28 اور 29 دسمبر 1908ء کو منعقد ہوا۔ اجلاس کی جائے انعقاد امرتسر تھی۔ انجمن کشمیری مسلماناں کی جانب سے علامہ اقبال نے نواب مذکور کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جو بزبان فارسی تھا اور جس کے ایک ایک لفظ سے اہل کشمیر کے مفادات کی محافظت اور ان کے حقوق کی پاسداری کا احساس جھلکتا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:

"کشمیریان صوبہ پنجاب بہ کمال آرزو مندی برائے قبولیت عہدۂ پیترن' بحضور والا عرض رسان اند و امید دارند کہ جناب والا از منظوری ایں درخواست جملہ برادران خطہ را مشکور و ممنون سازند و در انصرام ضروریات قومی و حفاظت حقوق اہل خطہ بیشتر از بیشتر سعی فرمائند۔" 17

اقبال کی تحریک پر بہت سے معاملات میں کشمیری عوام کو ایک آزاد قوم کی مراعات دینے کا فیصلہ ہوا۔ نواب صاحب مذکور نے اقبال ہی کی تحریک پر وائسریگل لیجسلیٹو کونسل کے اجلاس میں حکومت ہند سے کشمیریوں کے فوج میں بھرتی ہونے کے سوال پر کچھ نکات اٹھائے اور کشمیریوں کے حق میں قانون انتقال اراضی کی قانونی حدود کے تعین کے بارے میں امور زیر بحث لائے گئے' اور اس ضمن میں حکومت کے استحصالی رویوں پر احتجاج کیا گیا۔ اس طرح حکومت کی طرف سے مسٹر ملز نے اہل کشمیر کو یقین دہانی اور Re-assurance دی کہ قانون انتقال اراضی کی رو سے اہل کشمیر پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔

تحریک آزادی کشمیر کے راستے میں حالات کی ناسازگاری اور عدم موافقت سے اقبال کو کچھ ناخوشگوار مراحل سے بھی گزرنا پڑا جن کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے' لیکن اس سلسلے کا ایک اہم واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اس کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔ تحریک کشمیر کی جانب سے انہیں عہدۂ صدارت کی پیشکش ہوئی جس میں ان کی ذات کو Malign کرنے اور ان کا سیاسی Image خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ ایک سازشی اقدام تھا۔ اقبال نے ایک بیان (2 اکتوبر 1933ء) میں اس (صدارتی عہدے) کی پیشکش کو نامنظور کرتے ہوئے کہا:

"The offer which has been made to me is obviousely a camouflage intended to hodd wivk the public in to a beliet that the old All India Kashmir Committee still exists......" 18

اقبال ایک بے پناہ زیرک اور ذکی الحس انسان تھے۔ اس قسم کی معاندانہ سازباز اور ملی بھگت کو اپنی دانائی اور زیرکی سے Out Wit کرنا ان کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ اقبال نے اپنے تدبر و بصیرت اور عصری شعور و آگہی کی دولت کو کشمیر کے مظلوم اور بے بس مسلمانوں کی آزادی اور اصلاح احوال کے لیے بے دریغ خرچ کیا۔ ان کے انحطاط و زوال کے اسباب پر غور کیا' انفرادی اور اجتماعی سطح پر ان کے شعور اور احساس ذات کو بیدار کیا۔ ان کے تعلیمی' تہذیبی اور تمدنی ڈھانچے میں اصلاح کے لئے حکومت وقت سے سفارشات کیں۔ ان کی تہذیب اور

اقبال، کشمیر کی بساط سیاست پر رونما ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعے کا اثر ایک مستعد اور سرگرم کارکن کی حیثیت سے لیتے۔ کشمیر کے مقدر پر چھائی ہوئی جور و استبداد کی اس اندوہناک رات کو فروغ صبح میں بدلنے کے لیے اقبال نے کئی بے خواب راتوں اور کئی اذیت ناک صبحوں کو کشمیر کی جہد البقاء کی تحریک کا حصہ بنا دیا۔ ریاست کشمیر میں جو فسادات برپا ہوئے، اقبال نے ان پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنے بیان میں اس سفاکانہ عمل کی بھرپور مذمت کی۔ یہ بیان 7 جون 1933ء کو شائع ہوا:

> ''میں کشمیر کی سیاسی جماعت کی بلا وجہ حمایت نہیں کرنا چاہتا، لیکن دونوں جماعتوں کے لیڈروں کی گرفتاری، لوگوں پر دروں کی بارش اور عورتوں اور بچوں پر گولی چلانا اور لاٹھی چارج ایسے واقعات ہیں جو کشمیر کو پھر ان مصیبتوں میں ڈال دیں گے جن سے کرنل کالون نے اپنی حکمت عملی سے نجات دلائی تھی۔ مجھے امید ہے کہ کشمیر گورنمنٹ موجودہ واقعات کا نفسیاتی پس منظر معلوم کرنے کی کوشش کرے گی اور ایسا رویہ اختیار کرے گی جس سے ریاست میں امن و آشتی کا دور دورہ ہو جائے گا۔'' 14

اقبال کا سیاسی تدبر ان کی ناقدانہ بصیرت، حکمت عملی اور سب سے بڑھ کر کشمیری مسلمانوں کی حالت زار پر ان کی دردمندی اور تپش دروں بارہا تحریک آزادی کشمیر میں مسلمانوں کو ایک نئی آگہی اور ایک نیا شعور دیتے رہے۔ کشمیر کی اس محبت کے صبر آزما سفر میں انہیں بعض فتنہ طراز اور بدخواہ لوگوں کی معاندانہ کاوشوں کا بھی سامنا تھا۔ نام و نمود کی خاطر تحریک آزادی کشمیر میں شامل ہونے والے منافقین کی غلط انداز سیاست کو عوام الناس کے سامنے بے نقاب کرنے کے لیے انہیں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی بھی ہونا پڑا۔ اس سلسلے میں اقبال نے ایک بیان بھی دیا جو 20 جون 1933ء کو شائع ہوا:

> ''بحث و مباحثہ اور گفتگو سے مجھے یہ پتہ لگا کہ یہ لوگ دراصل کمیٹی کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جن میں اتحاد صرف برائے نام ہی ہو گا ــــــ بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے کے امیر کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔'' 15

علامہ اقبال کی مساعی اور تحریک سے اہل کشمیر کے سماجی، معاشرتی اور معاشی ڈھانچے میں ''گلانسی کمیشن'' کی سفارش پر حکومت کشمیر نے بہت سی اصلاحات منظور کیں۔ اقبال نے ان اصلاحات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے ایک بیان میں جو 3 اگست 1933ء کو شائع ہوا، کہا:

> ''کرنل کالون کو میں یہ مشورہ دوں گا کہ حکومت اور عوام میں دوبارہ اعتماد اور اچھے تعلقات پیدا کرنے کے لیے وہ میرپور اور بارہ مولا میں زیر سماعت فوجداری مقدمات کو واپس لے لیں۔'' 16

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کونسل کا سالانہ اجلاس زیر صدارت خواجہ محمد سلیم اللہ خان سی ایس آئی،

ان کے لٹریچر کو محفوظ کرنے کی خواہش بھی کی' اور جو ارباب قلم اس جانب متوجہ تھے' ان کی اس اقدام پر حوصلہ افزائی بھی کی' اس لیے کہ کسی بھی قوم کا ادب دراصل اس قوم کا تہذیبی اور تمدنی ورثہ ہوتا ہے جس میں اس قوم کے محسوسات کی تاریخ محفوظ ہوتی ہے' اور اس ورثے سے غفلت دراصل انسانی احساسات کے فطری ارتقا سے غفلت ہے۔ اور یہ انسانی جذبوں اور تاریخی تغیرات کے باہم Interact کرنے کے عمل کو محفوظ نہ کر سکنا بھی ایک تاریخ المیہ ہے اور روایت کے تسلسل کے انقطاع کی ایک سازش ہے۔ اس ضمن میں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"افسوس کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہو گیا۔ اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانوں کی غفلت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی حفاظت کے لئے ایک سوسائٹی بنالیں۔"[19]

اقبال نے منشی محمد الدین فوق کو کشمیر کے لٹریچر کی تلاش و حفاظت کے لیے ایک سوسائٹی بنانے کی تلقین کی اور انہیں تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھنے کی تحریک بھی دلائی' اس لیے کہ فوق بھی تحریک آزادی کشمیر کے سرگرم رکن تھے اور انہوں نے اپنی صحافت' علم و ادب اور مورخانہ صلاحیتوں سے اہل کشمیر کی بڑے دردمندانہ اور خیر خواہانہ انداز میں ترجمانی کی۔ وہ تحریک آزادی کشمیر میں اقبال کے دست راست تھے اور انہوں نے صحافتی سطح پر اقبال کو قلمی جہاد کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر رکھا تھا۔ اقبال' فوق کی صحافتی اور مورخانہ خصوصیات سے' ان کے ذریعے' کشمیر کے ماضی کو عہد حاضر سے مربوط کرنے کی کوشش کر رہے تھے' وہ ہر باشعور ذہن پر کشمیر شناسی کے دروازے وا کرنا چاہتے تھے۔ وہ تاریخی واقعات کے تسلسل سے اہل کشمیر کے لیے کوئی نسخہ عبرت فراہم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے قلم کی نوک میں تلوار کی سی کاٹ پیدا کی:

"ہوش سنبھالنے سے لے کر دم واپسیں تک جو دکھ جو درد اور جو غم علامہ کو خار پیرہن بن کر بے قرار رکھتا رہا' وہ یہی کشمیر کی پامالی اور کشمیریوں کی غلامی اور بے بسی کا غم تھا۔"[20]

باقیات اقبالیات میں بہت سے قطعات اقبال کی کشمیر سے ذہنی و قلبی وابستگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ قطعات "باقیات اقبال" میں "رباعیات" کے عنوان سے مندرج ہیں۔ ان قطعات میں اقبال کے فکر و قلب کا سارا سوز بے نقاب ہے:

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشم اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
در مطلب ہے اخوت کی صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثل حروف کشمیر[21]

---

پنجہ ء ظلم و جہالت نے برا حال کیا

بن کے مقراض ہمیں بے پر و بے بال کیا
توڑ اس دستِ جفاکیش کو یارب! جس نے
روحِ آزادیِ کشمیر کو پامال کیا
22

اقبال نے اپنی غنائیت، تغزل اور تفکر سے لبریز شعری تصنیف "پیامِ مشرق" کی نظم "ساقی نامہ" میں تمہیدی اور منظریہ اشعار کے بعد کشمیر کو بڑا حیات خیز اور ولولہ انگیز پیام دیا ہے۔ اس میں انہوں نے اہلِ کشمیر کو تلاش و جستجو اور جہد للبقاء کا درس دیا ہے اور انہیں عروج و زوال کے اسباب و علل اور بہار و خزاں کے تغیرات کی رمزیں سمجھائی ہیں۔ سکھوں اور ڈوگروں کے دورِ استبداد میں ان کے ذہن میں اس ساقی نامے کے ذریعے آزادی کے دلکش خوابوں کی آرزو بیدار کی۔ (یہ ساقی نامہ نشاط باغ کشمیر کی روح پرور فضاؤں میں لکھا گیا):

چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم
شرابے، کتابے، ربابے، نگارے
سرت گردم اے ساقیِ ماہ سیما
بیار از نیاگانِ ما یادگارے

---

ز چشمِ امم ریختند آں اشکِ نابے
کہ تاثیرِ او گل دماند ز خارے
کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد ز سنگِ مزارے
ضمیرش تہی از خیالِ بلندے
خودی ناشناسے، ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنتِ او
نصیبِ تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے
نہ در سینۂ او دلِ بے قرارے
23

علامہ اقبال کشمیر کی ذہین و فطین، طباع، چرب دست اور تر دماغ قوم کو استحصالی طاقتوں کے ہاتھوں بے بسی کی موت مرتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ ذلت و غلامی کا طوق اس کے گلے سے اتار پھینکنا چاہتے تھے۔ وہ اس قوم کو جو بے مہری حالات کے ہاتھوں راکھ کے ڈھیر میں بدل چکی تھی، خودی و خود شناسی اور احساسِ عشق سے آشنا کرنا چاہتے تھے۔

1924ء میں کشمیر میں ریشم سازی کے کارخانے میں ایک ہنگامہ خیز اور عہد آفریں بغاوت ہوئی اور بے بس و لاچار کشمیری اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے استحصالی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ اقبال نے پیامِ مشرق میں اپنی ایک نظم بعنوان "کشمیر" لکھی جو اگرچہ اقبال کے 1921ء

کے سفر کشمیر کی یادگار ہے، لیکن اس کے لفظ لفظ سے اقبال کی کشمیر سے محبت اور دلبستگی کا اظہار ہوتا ہے:

لالہ ز خاک بر دمید، موج بہ آبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں، آب شکن شکن نگر
زخمہ بہ تار ساز زن، بادہ بہ ساتگیں بریز
قافلہ بہار را انجمن انجمن نگر24

"پیام مشرق" کے علاوہ علامہ اقبال کی شہرہ آفاق تصنیف "جاوید نامہ" (جو 1932ء میں پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئی) میں علامہ اقبال نے ایک سو دس اشعار صرف کشمیر کے بارے میں کہے ہیں۔ ان اشعار میں اقبال نے مسلمانان کشمیر کو حریت و حمیت کا اور غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیا۔ سیاسی اور معاشی آزادی کے طریقوں سے آگاہ کیا۔ سامراجی طاقتوں کے جبر سے آزاد ہونے کے گر سکھائے۔ جاوید نامہ کے آسمانی سفر کا وہ مرحلہ جسے "آنسوئے افلاک" کا نام دیا گیا ہے، میں علامہ اقبال، سید علی ہمدانیؒ اور طاہر غنی سے جو علم و فضل اور تصوف و شاعری میں کمال رکھتے تھے، اہل کشمیر کی حالت زار بیان کرتے ہوئے کشمیری کی حیات دوام اور ہمہ جہت ارتقاء کا راز دریافت کرتے ہیں۔ خطہ ارضی پر مسلمانان کشمیر کا غم خوار و درد مند "آنسوئے افلاک" پہنچ کر بھی اپنی زار و زبوں قوم کے لیے بے قرار نظر آتا ہے:

از تب یاراں تپیدم در بہشت
کہنہ غمہا را خریدم در بہشت
تا دراں گلشن صدائے درد مند
از کنار حوض کوثر شد بلند25

اسی مرحلہ "آنسوئے افلاک" ہی میں اقبال شاہ ہمدانؒ سے مسلمانان کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کے استحکام کے لیے ہدایت و بصیرت طلب کرتے ہیں:

تیز تر شو تا فتد ضرب تو سخت
ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت26

غرضیکہ اقبال، "جاوید نامہ" کے تمثیلی پیرایوں میں مسلمانان کشمیر کو ڈوگروں کی ذلت آمیز غلامی سے نجات کے طریقے سکھاتے، ان کے دلوں میں شرکی قوتوں سے برسرپیکار ہونے کا عزم پیدا کرتے رہے۔ آگے چل کر "جاوید نامہ" ہی میں بزبان "زندہ رود" (جو اقبال کی اپنی ذات کا حوالہ ہے) کہتے ہیں:

ساغرش غلطندہ اندر خون اوست
در نئے من نالہ از مضمون اوست
از خودی تا بے نصیب افتادہ است
در دیار خود غریب افتادہ است27

اقبال حصول آزادی کی راہ میں اہل کشمیر کو ان وسائل سے مالا مال کرنا چاہتے ہیں جو بقا اور ارتقاء کے راستوں کا زاد راہ ہیں۔ وہ جذبہ و احساس اور خودی و خود شناسی کی کلید اہل کشمیر کے ہاتھ میں تھما کر انھیں انقلاب عالم اور بیداری کائنات کے عمل کا حصہ دار بنانا چاہتے ہیں۔ "جاوید نامہ" کے اسی حصے میں اقبال اس انسانیت سوز معاہدۂ امرتسر یا بیع نامہ امرتسر کی بھرپور مذمت کرتے ہیں جس میں حکومت برطانیہ کے نمائندگان نے راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ سرزمین کشمیر مع اس کے عوام الناس بیچ دیا تھا:

باد صبا اگر بہ جنیوا گزر کنی
حرفے ز ما بہ مجلس اقوام باز گوئے
دہقان و کشت و جوے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

علامہ اقبال نے اپنی تصنیف "ارمغان حجاز" میں ایک حصہ جو "ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کے بیاض" کے نام سے مخصوص کیا ہے، اس میں مشمولہ انیس منظومات دراصل اقبال کی تحریک حریت کشمیر کے ضمن میں ایک انقلابی فکر کی حامل ہیں۔ وادی لولاب سرزمین کشمیر میں سرینگر اور بارہ مولا کے درمیان ایک حسین و دلکش وادی ہے۔ ملا زادہ ضیغم ایک فرضی کردار ہے جسے اقبال نے اپنے فکر کے ابلاغ کے لیے بطور علامت استعمال کیا ہے۔ علامہ منبر و محراب کے ان وارث علماء کو آزادی کشمیر کا نقیب بنانا چاہتے ہیں:[28]

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادی لولاب!
ہیں ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب
اے وادی لولاب!
ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانہ صوفی کی مے ناب
اے وادی لولاب!
بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادی لولاب[29]

ارمغان حجاز کے اسی حصے کی وہ نظم بھی اقبال کے اہل کشمیر سے دلی تعلق کو ظاہر کرتی ہے:

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

---

آہ یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روز مکافات اے خدائے دیر گیر[30]

رئیس احمد جعفری اپنی کتاب "اقبال اور سیاست ملی" میں لکھتے ہیں:

"اقبال نے اپنے خطوں میں، تقریروں میں، خطبوں میں، بیانوں میں، شعروں میں کشمیر کا مرثیہ کہا ہے۔ خود روئے ہیں اور دوسروں کو رلایا ہے۔ وہ ہر اس تحریک کے ہمدرد تھے جو کشمیر کی اصلاح و فلاح کی علم بردار ہو۔ وہ ہر اس جماعت کے رفیق تھے جو کشمیر کا مسئلہ لے کر اٹھے۔"[31]

اقبال نے کشمیر میں مطلق العنانیت کے خاتمے کے لیے اپنا ذاتی اثر و رسوخ بے دریغ استعمال کیا۔ والی بھوپال سے ان کے گہرے مراسم تھے، کئی ریاستوں کے راجہ ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے، اور کئی قانون دان ان کے ایک اشارے پر مظلومین کشمیر کی پیروی کرنے کو تیار تھے۔ اقبال نے ان تمام وسائل کو جو انہیں میسر تھے، تحریک آزادی کشمیر پر نچھاور کر دیا۔ کشمیر کے مصائب پر اقبال نے بین الاقوامی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی سعی کی۔ معزز و مقتدر وکلاء کو کشمیر کی جیلوں میں محبوس مسلمانوں کی قانونی چارہ جوئی کے لیے آمادہ کیا۔ جلوسوں میں شرکت کی، جلسے منعقد کیے، تقاریر کیں، بیانات دیے، منظومات لکھیں، مسجدوں اور خانقاہوں کی حرمت کی بحالی کے لیے کاوشیں کیں۔ غیر مسلم سیاسی زعما و اکابرین کو اپنا ہم خیال بنایا۔ اپنی تحریر و تقریر سے سرکاری ملازمتوں کی حصولی اہل کشمیر کے لیے آسان کی۔ ناروا ٹیکسوں اور غلط قسم کے قانون اراضی سے مسلمانان کشمیر کو نجات دلائی۔ انسانی رویوں کے فقدان اور اقدار کی شکست و ریخت کے اس دوراہے پر اقبال نے اہل کشمیر کو ایک نیا طرز احساس اور ایک نیا لائحہ عمل فراہم کیا۔ سیاسی آشوب اور عصری بحرانوں میں گھرا ہوا یہ خطہ آج بھی اقبال کے جذبہ و احساس سے رہنمائی حاصل کر رہا ہے۔

✢ ✢ ✢

# حواشی

1- زاہد چودھری، "پاکستان کی سیاسی تاریخ" جلد 3، لاہور، ادارۂ مطالعہ تاریخ، 1990ء، ص 100
2- عنصر صابری، "تاریخ کشمیر" لاہور، پروگریسو بکس اردو بازار، 1991ء ص 11
3- عنصر صابری، "تاریخ کشمیر" لاہور، پروگریسو بکس 1991ء، ص 29
4- زاہد چودھری، "پاکستان کی سیاسی تاریخ" لاہور، ادارۂ مطالعہ تاریخ 1990ء، ص 111
5- عبدالواحد معینی سید، نقش اقبال، لاہور، آئینہ ادب، 1969ء، ص 151
6- افتخار احمد صدیقی ڈاکٹر، "عروج اقبال" لاہور، بزم اقبال، 1987ء ص 3
7- سفیر اختر، مرتب، "کشمیر—— آزادی کی جدوجہد" اسلام آباد، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈی، 1991ء، ص 38
8- عبدالواحد معینی سید، نقش اقبال، لاہور، آئینہ ادب، 1969ء ص 150-151
9- صابر آفاقی ڈاکٹر، "اقبال اور کشمیر" لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 1977ء، ص 34
10- عبدالواحد معینی سید، مرتب "باقیات اقبال" لاہور، آئینہ ادب 1978ء، ص 27-31
11- محمد رفیق افضل، مرتب، گفتار اقبال، لاہور، ادارۂ تحقیقات پاکستان 1969ء، ص 131
12- ایضاً"، ص 130
13- محمد رفیق افضل، مرتب، گفتار اقبال، لاہور، ادارۂ تحقیقات پاکستان، 1969ء، ص 132
14- لطیف احمد شیروانی، مولف، حرف اقبال، لاہور، المنار اکیڈمی، ص 219
15- لطیف احمد شیروانی، مولف "حرف اقبال" ص 221-222
16- ایضاً"، ص 226
17- محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، لاہور، بزم اقبال، 1986ء، ص 145-146
18- Abdul Vahid Sayed, Thoughts & Reflections of Iqbal, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1973 A.D., Pg. 304
19- (i) رئیس احمد جعفری، اقبال اور سیاست ملی، لاہور، فیروز سنز سن ندارد، ص 154
(ii) عطاء اللہ شیخ، مرتب اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، حصہ اول، لاہور، شیخ محمد اشرف 1945ء، ص 58، (مکتوب بنام ظہور الدین مہجور)
20- صابر آفاقی ڈاکٹر، اقبال اور کشمیر، لاہور، اقبال اکادمی 1977ء، ص 34
21- عبدالواحد معینی سید، مرتب، باقیات اقبال، لاہور، آئینہ ادب 1978ء، ص 32
22- ایضاً"، ص 33

23- محمد اقبال، پیام مشرق، لاہور، غلام علی پرنٹرز، 1989ء ص 115-116
24- محمد اقبال، پیام مشرق لاہور، غلام علی پرنٹرز 1989ء ص 133
25- محمد اقبال، جاوید نامہ، لاہور، غلام علی پبلشرز 1986ء ص 158
26- ایضاً" ص 160
27- محمد اقبال، جاوید نامہ، صفحہ 160
28- محمد اقبال، جاوید نامہ، صفحہ 162
29- محمد اقبال، ارمغان حجاز، حصہ اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز 1989ء ص 34
30- محمد اقبال، ارمغان حجاز، ص 36
31- رئیس احمد جعفری، "اقبال اور سیاست ملی" لاہور، فیروز سنز، سن ندارد ص 153

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006